اس مہم کے دوران مکتب القرآن نامی ادارہ سے منسلک و متعلق مرد اور عورتوں کو بڑی تعداد میں گرفتار کیا گیا یہ ایران کا وہ دینی ادارہ ہے جسے عالمی شہرت یافتہ اور بلند پایہ عالم دین الاستاد احمد مفتی زادہ نے وسط 1982 میں قائم کیا تھا

قید میں ڈالے جانے والے ان افراد کی کم سے کم معیاد قید دو سال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال ہے بغیر

فرد جرم جاری کئے ان کو چند سال قید میں ڈالے رہنے کے بعد رہا کر دیا گیا لیکن یہ اعلان نہیں کیا گیا کہ وہ کس جرم کی پاداش میں اتنا عرصہ قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے رہے گرفتار کئے جانے والوں میں نمایاں شخصیت استاد احمد مفتی زادہ کی ہے جو ایک جلیل القدر مجاہد اور محترم عالم دین ہیں ان پر جو مظالم ڈھائے گئے ان کی تفصیل میں جائیں تو سننے والے باقی مظالم کو بھول جائیں گے اور ان کا قصور اور جرم صرف یہ تھا کہ وہ اصلاح کے داعی تھے انہیں گرفتار کر کے پانچ سال کی سزا دی گئی قید کے دوران ان پر جسمانی اور روحانی ایذا کا کرب ناک سلسلہ جاری رکھا گیا ان کو قید تنہائی میں ایسی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں رکھا گیا جہاں سورج کی روشنی کا گزر نہ تھا چار ماہ تک انہیں مسلسل ایک پاخانہ میں بند رکھا گیا جہاں وہ بیمار ہو گئے لیکن پھر بھی انہیں بغیر علاج معالجہ کے رکھا گیا بیماری نے انہیں اتنا کمزور کر دیا کہ وہ نماز کے لئے تیمم کرنے سے بھی قاصر تھے ان کی اس حالت کو دیکھ کر ڈاکٹروں نے بتایا کہ وہ موت کی دلہیز تک پہنچ چکے ہیں لیکن پھر بھی اس حق پرست انسان نے اپنے موقف میں ذرا بھی لچک پیدا نہ ہونے دی شاید اس خیال سے کہ وہ مزید صعوبت برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے ان کی ایذا رسانی میں کمی کر دی گئی

بیٹے کو شیشے کی دیوار کی اوٹ سے بھی ملاقات کی اجازت نہیں

آج سے کوئی ڈیڑھ سال قبل ان کی قید کو پانچ سال پورے ہو چکے تھے بعض خوش فہم یہ سمجھ بیٹھے کہ اب ان کو رہا کر دیا جائے گا لیکن ایسا نہ ہوا میعاد پوری ہونے پر ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ تحریری عہد نامہ دیں کہ رہائی کے بعد وہ اپنی پرانی روش سے باز آجائیں گے لیکن ان کا عزم غیر متزلزل اور ارادہ پکا رہا وہ حق کے داعی ہیں اور ان کو احساس ہے کہ حق پرستوں کو اپنی جان مال کی پرواہ کرنا روا نہیں ان کی قید کا چھٹا سال گزر گیا اور کچھ مدت ساتویں سال کی بھی گزر چکی تو عام اعلان ہوا کہ تمام قیدی چھوڑ دئے جائیں گے سوا نو سو قیدیوں کے جن کے بارے میں کہا گیا کہ ان سے سنگین جرائم سرزد ہوئے ہیں اس لئے انہیں چھوڑا نہیں جا سکتا

اس اعلان سے لوگوں میں یہ امید بندھی کہ اب استاد احمد مفتی زادہ ضرور رہائی پا جائیں گے اس لئے کہ انہوں نے سرے سے کسی جرم کا ارتکاب ہی نہیں کیا ہے لیکن یہ آرزو بھی بادر ہوا ثابت ہوئی

چند دن ہوئے کہ اس مجاہد عظیم کو اپنے بھائی کے انتقال کے موقع پر ان کے گھر جانے کی اجازت ملی تھی مرحوم بھائی کے گھر والوں کی درخواست پر ہمارے اس راہنما کو 24 گھنٹے کے پیرول پر چھوڑا گیا تھا گھر والوں نے ان کی حالت زار دیکھی تو ان کے غم و اندوہ میں کہیں زیادہ اضافہ ہو گیا سب نے دیکھا کہ وہ کمزور اور لاغر ہو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہیں ان کے ہاتھوں میں رعشہ تھا قوت سماعت بڑی حد تک کم ہو چکی تھی آدھے دانت گر چکے تھے ساتھ ہی اور دیگر امراض لاحق تھے گزشتہ تین ماہ سے ان کی کوئی خبر نہیں مل سکی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان پر کیا گزری وہ کہاں رکھے گئے ہیں ان کے صاحبزادے جنہیں پہلے ان سے جیل میں شیشہ کی دیوار کی اوٹ سے دیکھنے اور فون پر بات کرنے کی اجازت مل جاتی تھی معلومات کی غرض سے جیل خانہ گئے تو انہیں استاد احمد کے بارے میں کچھ نہ بتایا گیا

اس داعی الخیر اور مومن صادق اور اصلاح کے علمبردار کو طرح طرح اذیتوں آزمائشوں اور صعوبتوں سے گزارا جا رہا ہے لیکن اب تک ان کے

بقیہ صفحہ 12 پر

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

آخری قسط

علامہ اقبالؒ - اور - فتنۂ جمہوریت

ایک جاہل اور ان پڑھ کا مقام وہ نہیں جو ایک عالم اور ماہر فن کا ہے۔ اسی شئی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"(علم والے اور جاہل برابر نہیں ہیں۔)"

لیکن اس غیر فطری نظام جمہوریت میں جاہل اور عالم، ماہر فن اور غیر ماہر فن، مفتی اعظم اور ان پڑھ وزیر اعظم اور چوکیدار، سربراہ مملکت اور مڈل پاس چپڑاسی، سب کی رائے اور ووٹ کی ایک ہی قیمت ہے بلکہ وقت کے قطب اور ابدال اور ایک زانی، شرابی، ایک دانشور اور ایک پاگل کے ووٹ کی ایک ہی حیثیت ہے جو کہ خلاف فطرت اور خلاف علم و دانش بات ہے۔ اس لحاظ سے جمہوریت نہ صرف خلافِ اسلام ہے بلکہ خلافِ علم و دانش بھی ہے جمہوریت کے دلدادہ اگر ووٹ کے معاملہ میں سب انسانوں کو ایک ہی مقام دیتے ہیں تو اپنے روز مرہ کے معاملات میں ہر شخص کی رائے کو ایک حیثیت کیوں نہیں دیتے، معاشرہ میں یہ اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کا تفاوت کیوں قائم کیا ہوا ہے۔ وہاں غیر ماہرِ فن کی رائے کو ماہرِ فن کی رائے کے ساتھ برابری کا درجہ کیوں نہیں دیتے۔ مختلف دفاتر میں افسر اور کلرک کا نشیب و فراز کیوں ہے۔ اسی شئے کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے ؎

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

۱۰۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں عوام کی یا عوام کی اکثریت کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ بھی عوام کے ساتھ ایک فراڈ ہے اور خلافِ اسلام ہونے کے ناطے سادہ لوح عوام کے ساتھ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے حالانکہ جمہوری نظام میں اکثریت کی حکومت نہیں بلکہ اکثر حالتوں میں اقلیت کی حکومت ہوتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے کہ جمہوری نظام میں کسی شخص پر کوئی قید نہیں کہ وہ الیکشن میں کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ ہر شہری اس معاملہ میں یکسر آزاد ہے۔ اب اگر ایک حلقۂ انتخاب میں تین لاکھ ووٹر ہیں اور چھ امیدوار الیکشن میں کھڑے ہوئے تو جو امیدوار پچاس ہزار ایک ووٹ لے جائے گا وہ کامیاب ہے اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے سینے پر ہاتھ مار کر یہ کہتا ہے کہ میں عوام

کا نمائندہ ہوں حالانکہ عوام میں سے دو لاکھ اُنچاس ہزار نو سو ننانوے لوگوں نے اُس عوامی نمائندہ ہونے کے دعویدار کو ووٹ نہیں دیئے۔ لہٰذا ایک طرف تو عوام کے احتجاج کو یہ کہہ کر تسلی دی جاتی ہے کہ یہ آپ ہی کا نمائندہ ہے۔ آپ ہی کے ووٹوں سے کامیاب ہوا ہے حالانکہ ووٹ تو اُس کو ایک نہایت قلیل تعداد سے ملے تھے۔ اور دوسری طرف نمائندہ صاحب صرف چونکہ پچاس ہزار ایک ووٹران کے نمائندہ ہیں لہٰذا وہ ہر معاملہ میں انہی چند آدمیوں کی ہر جائز و ناجائز مدد کرتے ہیں اور اپنے حلقہ کے دوسرے ووٹران کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کو اپنا مخالف تصور کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے اُس کو انتخاب میں ووٹ نہیں دیئے تھے اور اس حلقہ کے دوسرے ووٹر جنہوں نے اس کو ووٹ نہیں دیئے تھے۔ وہ بھی اپنے ذہن میں اُس کو اپنا نمائندہ نہیں سمجھتے۔

(۱۱) جمہوریت میں جمہور کی فرمانروائی اور سیادت تسلیم کی جاتی ہے۔ لیکن یہی چیز جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جمہور کسی مستقل اور پائدار چیز کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بڑی لچکدار چیز ہے۔ جو ہر زوردار چیز سے دباؤ کھا کر اپنی شکل بدل دیتی ہے۔ اس سے روٹی، کپڑا اور مکان کا فراڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کو لالچ دیا جا سکتا ہے۔ اس کو مشتعل کیا جا سکتا ہے۔ اس کا استحصال کیا جا سکتا ہے۔ ایسی غیر مستقل چیز پر جس ریاست کی بنیاد رکھی جائے گی اس میں نہ تو استقلال و پائداری پائی جا سکتی ہے اور نہ ہی وہ انسانیت کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

خود پاکستان میں آپ نے گزشتہ سالوں میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ایک شخص نے روٹی، کپڑا اور مکان کا عوام کو دھوکہ دے کر پاکستان کو دولخت کر دیا اور پاکستان میں اپنی ایک ایسی حکومت بنائی جس کے دلائی کیمپ کے ظلم کی داستانیں لوگ ٹیلی ویژن پر لوگوں کو بچشم گریاں سناتے تھے۔ جس میں ملک کی تمام ترقیاتی اسکیمیں رک گئیں اور عوام اُس کے پنجۂ ظلم و ستم کے نیچے کراہنے لگے۔ پھر چشم فلک نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ جمہور اُس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ وہی شخص تختہ دار پر ایک شخص کے قتل کے جرم میں لٹکایا گیا اور کسی آنکھ سے ایک آنسو بھی اس کے افسوس میں نہ گرا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جمہور کوئی پائدار اور مستقل ارادہ نہیں رکھتا کہ اس کے احتجاجی ارادہ کو بنیاد بنا کر کسی ریاست کا نظام حکومت بنایا جائے۔

(۱۲) جمہور کا ادبی، اخلاقی اور نفسیاتی اثرات سے متاثر ہونا یقینی ہے۔ ایسی صورت میں ریاست کے لئے کوئی مستقل

اخلاقی معیار اور قانون کے لئے کوئی پائدار اخلاقی بنیاد نہیں رہتی۔ اگر جمہور کے اندر بڑے بڑے میلانات نشوونما پانے لگیں تو ریاست اور قانون دونوں جمہور اور ان کے میلانات ہی کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ باشندے اگر تباہی کی جانب ایک قدم چلتے ہیں تو ریاست ان کو سَو قدم دھکیلتی ہے۔ اس طرح انسانیت کی تباہی بربادی کا راستہ مختصر ہو جاتا ہے۔ اسکی زندہ مثال دُنیا کے سب بڑے جمہوری ملک برطانیہ کی ہے جہاں حکومت نے ہم جنسی کا قانون پاس کر کے لوگوں کو بداخلاقی کے قعرِ مذلت میں دھکیل دیا۔

(۱۳) جماعتی تعصب اور گروہ بندی بھی جمہوریت کے لئے ایک لازمی اور ضروری شئی ہے ——— اور یہ شئی معاشرہ کے لئے ایک نہایت مہلک شئی ہے۔ اس مہلک مرض کا اثر یہ ہوتا ہے کہ حق گوئی اور حق پسندی کا جوہر اور وصف جو معاشرہ کے لئے ایک روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ لوگوں میں بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں قوم کی اخلاقی تباہی یقینی ہو جاتی ہے۔ پھر یہی جماعتی استیلاء اکثریت کے ظلم پر منتج ہوتی ہے جو جمہوریت کی بدترین خصوصیت ہے۔

(۱۴) جمہوریت میں قانون سازی کے اختیارات برسرِاقتدار پارٹی کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر مملکت کی کل پارٹیاں قانون سازی میں حصّہ لیتی ہیں لیکن مرضی اکثریتی پارٹی کی چلتی ہے۔ اس اکثریتی جماعت میں جماعتی نظم کا دہانہ ہر ایک کے منہ پر چڑھا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے حق کا دم اُس کے حلق میں گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں اور آمریت میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا اور جمہور کا نام محض ایک فریب اور دھوکہ ثابت ہوتا ہے۔

(۱۵) برسرِاقتدار پارٹی آخر انسانوں کی پارٹی ہوتی ہے فرشتوں کی جماعت نہیں ہوتی۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین پر اس کے ذاتی رجحانات اور تعصّبات کا اثر پڑنا ایک لازمی امر ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں عدل و انصاف کا معیار اس اکثریتی پارٹی کے مفاد کے علاوہ کچھ نہیں رہ جاتا۔ پھر یہ معیار بھی قطعاً غیر مستقل ہوتا ہے کیونکہ جب دوسری پارٹی برسرِاقتدار آتی ہے تو معیار اور نقطۂ نظر تبدیل ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں جمہور اور ریاست دونوں کو " امن و عیش " کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہر وقت "ہر کس بر بند ید محملھا " کی آواز بلند کر رہا ہو۔ برسرِاقتدار پارٹی اقلیتی پارٹی کو ہر ممکن طریقہ سے دبانے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ان دونوں پارٹیوں کے درمیان نفرت اور تفرقہ کی آگ ہر وقت سلگتی رہتی ہے جس سے بڑے بھیانک نتائج کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔

(۱۶) جمہوری حکومت میں حکومت کا محور صرف معاشیات کو بنانا پڑتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اجتماعی ارادہ جو جمہوری ریاستوں کا طاغوت مسجود ہے انفرادی ارادوں کے اجتماع سے وجود میں آتا ہے۔ اور افراد جب خدا کی عبادت اور بندگی سے آزاد ہوں تو اُن کا منتہائے مقصود صرف نفس و بدن کے مطالبات کو پورا کرنا ہوتا ہے جو معاشیات کا سرچشمہ ہے۔ بدیں وجہ ہر جمہوری حکومت معاشی مسائل کو اوّلیت اور اولویت کا درجہ دیتی ہے اور حکومت دیگر تمام مسائل کو معاشی مسائل کے تابع سمجھتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کو معاشیات کے تابع کر دینے کا لازمی نتیجہ حیوانیت اور بہیمیت ہے جس کا مشاہدہ ہم مغربی جمہوری ممالک میں کر رہے ہیں۔ اخلاقی حس کی موت، خدا سے بے نیازی بلکہ بیزاری، مادہ پرستی کا غلبہ یہ سب چیزیں اسی شکم پرستی اور حرص و آز کے لازمی نتائج ہیں جن سے نجات اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک جمہوریت کا وجود دنیا میں باقی ہے۔ اور جب تک معاشیات کے بت کی پرستش اس عالم میں جاری ہے۔ چنانچہ دنیا کے مشہور ملحد جوزف اسٹالن نے بالکل سچ کہا ہے کہ:

"لوگوں کو روحانیت اور مذہب سے بیگانہ اور متنفر کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اُن کو معاشیات کی جانب زیادہ سے زیادہ متوجہ کر دیا جائے۔"

جمہوری حکومت میں معاشیات کو محور بنانے کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت کے ساتھ نظامِ سرمایہ داری کا ایک ناقابلِ انقطاع رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ہر جگہ نظامِ سرمایہ داری اور نظامِ جمہوری ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کسی ملک میں سیاسی نظام جمہوری ہو اور معاشی نظام سرمایہ داری کے علاوہ کچھ اور ہو۔ اس لئے کہ جمہوریت کے بارہ میں دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہو گی۔

۱۔ جمہوری نظام کے قیام سے قبل ملک میں نظامِ سرمایہ داری موجود ہو۔ اس صورت میں یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ برسرِ اقتدار پارٹی یا تو خود سرمایہ دار ہو گی یا سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو گی۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جمہوری نظام کے قیام کے وقت معاشی نظام سرمایہ دارانہ نہ ہو بلکہ اشتراکی یا کوئی اور ہو۔ ایسی صورت میں یہ لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نظامِ معاشی رفتہ رفتہ سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیل ہو جائے گا جیسا کہ سوویٹ یونین میں ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں جو جماعت بھی جمہوریت میں اقتدار پر قابض ہو گی وہ سرمایہ پر پورا قبضہ رکھے گی اور اُس میں اپنے مفاد کے مطابق تصرفات کرے گی۔ دوسری بات یہ ہے

کہ ان ملکوں میں اگر شخصی سرمایہ داری توہینی ہے جو شخص سرمایہ داری سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

جمہوریت کی انہی خرابیوں کی وجہ سے اقبالؒ نے جمہوریت کی بڑی شدت سے مخالفت کی کیونکہ وہ اسے عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فتنہ تصور کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم ایک اچھوتے اور حکیمانہ خیال کی توقع ایسے لوگوں سے کرتے ہو جو جاہل اور پست فطرت ہیں۔ کہاں چیونٹی اور کہاں حضرت سلیمان علیہ السلام۔ ہم ایک چیونٹی سے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی سی ذہانت کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس اکاون فیصد والی رواجی جمہوریت کو ترک کر دو۔ کیونکہ گدھے اگر دو سو بھی جمع ہو جائیں تو ان سے ایک انسانی فکر کی توقع نہیں کی جا سکتی ؎

متاعِ معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی ٭ ز موراں شوخیٔ طبعِ سلیمانی نمی آید
گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو ٭ کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید

ایسی جمہوریت بیکار ہے کیونکہ اس میں ووٹنگ کے ذریعہ افراد کو گنا جاتا ہے۔ ان کی رائے کا وزن نہیں کیا جاتا ؎

اس راز کو اِک مردِ قلندر نے کیا فاش ٭ ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں ٭ بندوں کو گِنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اقبال کی فکر کے مطابق بندوں کو گننے والی جمہوریت میں اکثریت والوں کی رائے بھی اپنی نہیں ہوتی بلکہ چند خود غرض اور بد دیانت دولت مندوں کی رائے ہوتی ہے جس کو وہ اپنی دولت اور اثر و رسوخ کے بل بوتے پر اُن سے ووٹوں کی صورت میں لے آتے ہیں۔ گویا وہ درحقیقت جمہوریت نہیں ہوتی بلکہ بادشاہت اور استبداد کی ایک صورت ہوتی ہے جو جمہوریت کا لباس اوڑھ لیتی ہے۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں ؎

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام ٭ جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب ٭ تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق ٭ طبِ مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتار اعضائے مجالس الاماں! ٭ یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگِ زرگری

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ میں جب ابلیس کا ایک مشیر دوسرے کو کہتا ہے کہ تو سلطانیٔ جمہور کے نئے فتنے سے بے خبر ہے۔ یہ فتنہ خیر ہے شر نہیں ؎

خیر ہے سلطانیِ جمہور کا غوغا کہ شر | تُو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

تو دُوسرا مشیر جواب دیتا ہے کہ میں سلطانیِ جمہور کی نئی تحریک سے باخبر ہوں، لیکن وہ تو بادشاہت کا ایک پردہ ہے لہٰذا اس سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں جب آدم اپنی حیثیت سے کسی قدر باخبر ہونے کے بعد بادشاہوں کی غلامی اور استبداد کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہونے لگا تو ہم نے اُسے خود دھوکہ میں مبتلا کرنے کے لئے بادشاہت ہی کو جمہوریت کا لباس پہنا دیا۔ بادشاہت کا کاروبار بادشاہ کے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے، بادشاہت کا امتیازی نشان لوٹ کھسوٹ اور ظلم و جور ہے، سو یہ امتیاز ایک جمہوری نظام کے اندر مجلسِ ملت کو بھی حاصل ہے۔ مغرب کا جمہوری نظام دیکھ لو کیا وہ انصاف اور مساوات کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود کمزور قوموں کو غلام بنا کر ان پر چنگیز کی طرح مظالم نہیں ڈھار ہا ہے

ہوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے | جو ملوکیت کا اک پردہ ہو اس سے کیا خطر
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس | جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے | یہ وجود میر و سلطان پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو | ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام | چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

اس مقام پر تو علامہ صاحب نے جمہوری نظام کو اشتراکی نظام سے بھی بدتر قرار دیا ہے کیونکہ اس نظام حکومت نے ملوکیت کی رُوح کو قائم کر رکھا ہے، اس لئے ابلیس کے مشیر اس سے بہت زیادہ نہیں گھبراتے۔ لیکن اشتراکی نظامِ حکومت نے اِس رُوح کو بالکل فنا کر دیا ہے اس لئے اس کی مشیر اس سے زیادہ پریشان ہیں اور اضطراب کی حالت میں سوال کرتے ہیں

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب | ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب
وہ کلیم بے تجلّی وہ مسیحِ بے صلیب | نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز | مشرق و مغرب کی قوموں کے لئے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا طبیعت کا فساد | توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

خلاصہ یہ کہ اقبالؒ مغرب کی ایجاد کی ہوئی اکا دن فیصد والی غیر فطری جمہوریت کا بالکل قائل نہیں کیونکہ یہ